© rasailojaraid.com

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری - ذمّی

———— مولانا یحییٰ نعمانی

اسلام کے جو پہلو موجودہ دور میں مخالفینِ اسلام کی تنقیدوں اوراعتراضات کا زبردست ہدف بنے ہیں، ان میں اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کی حیثیت اور حقوق، اسلام کا تصور جہاد، جزیہ کی حقیقت اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مدیر مجلّہ مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنی وقیع تصنیف 'غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق' میں ان موضوعات پر مفصّل اور مدلّل بحث کی ہے اوران اعتراضات کا بھرپور جواب دیا ہے۔ زیرنظر مضمون میں بھی 'ذمّیوں کے حقوق' پر مختلف پہلوؤں سے اچھی بحث کی گئی ہے۔ (معاون مدیر)

اسلامی شریعت کی قانونی اصطلاح میں اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے لیے 'اہل ذمہ' یا 'ذمّی' کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ 'ذمہ' کے معنی گارنٹی اور ذمہ داری کے ہیں۔ گویا یہ وہ لوگ ہیں جن کے حقوق اور تحفظ کی ذمہ داری حکومت پر لازم ہوتی ہے۔

اسلامی شریعت میں شہریت کی بنیاد ایک معاہدہ تصور کیا جاتا ہے۔ گویا ہر شہری ریاست اور معاشرے کے ساتھ معاہدہ میں مربوط ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کو حقوق بھی ملتے ہیں اوراس پر ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے معاہدہ میں عام انسانی حقوق وفرائض اوراجتماعی ذمہ داریوں کے علاوہ خالص دینی ذمہ داریاں بھی شامل ہوتی ہیں، لیکن ایک غیر مسلم شخص جب اسلامی ریاست کا شہری ہوتا ہے تو اس کے ساتھ معاہدہ کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ 'ذمہ' اور 'ذمی' کی اصطلاح صاف بتاتی ہے کہ ریاست اور معاشرہ ان لوگوں کے حقوق کی ذمہ داری لے رہے ہیں اور ریاست کی نظر میں غیر مسلم 'محکوم باج گذار' نہیں، بلکہ ایسے شہری ہیں جن کے حقوق کے سلسلے میں ریاست اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئولیت اور ذمہ داری کا بھرپور احساس رکھتی ہے۔ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے ذرا پہلے اپنے بعد کے خلیفہ کے لئے جو وصیتیں کی تھیں ان میں ریاست کے لئے نہایت قدر و احترام کے لائق 'مہاجرین اولین' اور انصار کی حق شناسی کی نصیحت کے بعد یہ بھی فرمایا تھا:

وأوصيه بذمة الله وذمة رسوله، أن يوفّى لهم بعهدهم وأن يقاتل من ورائهم، وأن لا يكلّفوا فوق طاقتهم۔[۱]

میں وصیت کرتا ہوں اللہ ورسول کے ذمہ کا خیال رکھنے کی، ان سے کیے گئے معاہدے کو پورا کیا جائے، ان پر کوئی حملہ آور ہو تو ان کی حفاظت کے لیے جنگ کی جائے اور ان کی سکت سے زیادہ ان پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔

اس وصیت میں اہل ذمہ کے حقوق کو 'ذمة الله وذمة رسوله' (اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ) کہہ کر جو تقدس اور احترام بخشا گیا ہے اس کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اہل ذمہ کے ان حقوق میں وہ سارے شہری حقوق آجاتے ہیں جو کسی بھی عادلانہ نظام حکومت میں اس کے شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً:

۱- غیر مسلم شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ریاست پر ہوتی ہے۔ ریاست اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی جان و مال کی بالکل اسی طرح حفاظت کی پابند ہوگی، جیسا کہ وہ مسلم شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کرتی ہے۔ فقہ اسلامی کی تمام معتبر کتابوں میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اہل ذمہ کو ہر طرح کی بیرونی اور داخلی جارحیت سے تحفظ فراہم کرے۔[۲]

مملکت کے داخلی دائرے میں بھی ان کو مکمل تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ ظلم اور ظالم کے لئے جو وعیدیں قرآن و سنت میں آئی ہیں ان سب کا اطلاق اہل ذمہ پر کیے جانے والے ظلم پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن چوں کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم عددی لحاظ یا کسی دوسرے پہلو سے کم زور ہو سکتے ہیں، اس لیے خصوصاً ان پر ظلم کرنے والے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہﷺ نے الگ سے شدید وعیدیں سنائی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ألا من ظلم معاهداً، أو انتقصه أو كلّفه فوق طاقته، أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة. [۳]

خبردار، جو کسی ذمی پر ظلم کرے، یا اسی کا کوئی حق مارے یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اس سے کام لے یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے تو قیامت کے دن میں اس کے خلاف اللہ کی عدالت میں نالش کروں گا۔

ذمی کے قصاص کا مسئلہ

ذمی کی جان اسلام کی نگاہ میں اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح کسی مسلم شہری کی۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوش بو تک نہیں پا سکے گا'' [۴]۔ لیکن فقہاء و علماء کی ایک بڑی تعداد اس کی قائل ہے کہ ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ حضرات حضرت علیؓ کی روایت کردہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ ''مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا''۔ [۵] البتہ اس کی دیت وصول کی جائے گی۔

دوسری طرف امام ابوحنیفہؒ ان کے اصحاب اور دیگر بہت سے فقہاء اس کے قائل ہیں کہ ذمی کے بدلے میں اسی طرح قصاص نافذ ہوگا جس طرح کسی مسلمان مقتول کے بدلے میں ہوتا ہے۔ ان حضرات کی اصل دلیل یہ ہے کہ مقتولین کے قصاص کے جو احکام قرآن وسنت کے بہت سے نصوص میں آئے ہیں ان میں کہیں ایسی کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں جائے گا، بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قابل احترام جان کا یہی حکم ہے۔ یہ نصوص قرآن میں بھی ہیں اور سنت میں بھی کثرت سے آئے ہیں۔ ان میں علی الاطلاق سارے مقتولین کے قصاص کا حکم آیا ہے اور کہیں ذمی کا استثنا نہیں ہے۔ نیز شریعت کے دیگر احکام میں بھی مسلمان اور ذمی کی جان و مال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ قانونی اعتبار سے مساوی نظر آتا ہے۔ دونوں کا قتل حرام ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

دوسری طرف حضرت علیؓ کی مذکورہ حدیث کا سیاق بتاتا ہے کہ روای جس وقت کی گفتگو نقل کر رہا ہے اس وقت حضرت علیؓ کا مقصد اس کے سامنے مکمل حدیث نقل کرنا نہیں تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ایک مخصوص ذہنیت کے زیر اثر یہ افواہ اڑائی گئی کہ حضرت علیؓ نے اہل بیت کو کچھ ایسے راز بتائے ہیں جو کسی اور کو نہیں بتائے اور دین کی کچھ تعلیمات صرف انہی کو دی ہیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے اس تعلق سے استفسار کیا تو انہوں نے کہا: نہیں، خدا کی قسم، نہیں۔ ہاں اس صحیفہ میں کچھ احکام ہیں۔ سائل نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: دیت کے احکام، قیدیوں کو رہا کرانے کے احکام اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔[۶]

روایت کا سیاق صاف بتا رہا ہے کہ حضرت علیؓ نے پوری احادیث اور مکمل احکام نقل کرنے کی نیت نہیں کی تھی، بلکہ وہ صرف اور صرف ان احادیث اور احکام کے عناوین نقل کر رہے تھے اور ان کی طرف اشارے کر رہے تھے جو ان کے صحیفے میں تھے۔ ورنہ پورے صحیفے میں یہ مشکل سے ایک سطر تو نہیں ہوگی جو اس روایت میں نقل کی گئی ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ دوسری روایات میں آں حضرتؐ کا یہ حکم کسی قدر مکمل شکل میں آیا ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ[۷]	نہیں قتل کیا جائے گا کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے اور نہ کوئی ذمی ذمی ہوتے ہوئے۔

یہ اس سلسلہ کی نسبتاً مکمل حدیث ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ آپؐ کی مراد یہ ہے کہ کوئی مسلم یا ذمی کسی کافر (یعنی دارالحرب کے کافر) کے بدلے قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ جس کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا آگے حدیث میں اسی کافر کے بدلے ذمی کو بھی قتل نہ کیے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال اس رائے کے حاملین نے حدیث کا یہی مطلب قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک شریعت کے عام احکام سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔[۸]

مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ فرمان منقول ہے کہ ذمی کے قتل کی سزا میں قصاص جاری کیا جائے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس پر عمل ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔[۹]☆

آخر زمانہ میں سلطنت عثمانیہ نے صدیوں اسی قانون پر عمل کیا۔

ذمی کے مال کی حفاظت

شریعت نے اسلامی حکومت کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم شہریوں کے مال کا تحفظ، ان کے مفتوح ہونے کی وجہ سے ترجیحی بنیاد پر کرے۔ حضرت عمرؓ نے فتح شام کے موقع پر اس کی عیسائی آبادی کے سلسلہ میں اپنے گورنر فاتحِ شام حضرت ابوعبیدہؓ کو خط میں لکھا کہ: ''خبردار، مسلمان ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور ان کا مال ناجائز نہ ہڑپ کیا جائے''۔[۱۰] مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اسی قانون پر عمل ہوتا آیا ہے۔

حکومتی امداد واعانت

شریعت نے حکومت کو عوام کی بہتر بود و باش کے انتظامات کا ذمہ دار بنایا ہے۔ زمانے کے تمدن کے لحاظ سے حکومت عوام کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ذمہ دار قرار پائے گی۔ ذمی شہری بھی اس سلسلہ میں مسلمانوں کے مثل ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حیرہ فتح کیا۔ اس کی اطلاع دینے کے لیے انھوں نے مرکز خلافت کو جو خط لکھا اس میں تحریر کیا تھا: ''میں نے ذمیوں کو یہ حق دیا ہے کہ ان میں جو بوڑھا اور بے کار ہو جائے، یا کسی پر کوئی آفت آ جائے، یا کوئی مال دار غریب ہو جائے تو اس کا جزیہ (ٹیکس) معاف کر دیا جائے گا، اور اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت

☆ اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف اور ان کے دلائل کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'، ص۲۲۲ تا ۲۲۸ (معاون مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کے بیت المال سے کی جائے گی"۔[۱۱]

حسن سلوک کی تاکید

رسول اللہ ﷺ نے اہل مصر کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ جب مصر فتح ہوتو اس کے باشندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے[۱۲]، ساتھ ہی آپؐ نے اس کو واجب قرار دینے والے دو اسباب کا تذکرہ فرمایا تھا: ایک ذمی ہونے کی حیثیت سے ہم وطنی کا رشتہ، دوسرا یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نانیہال مصر میں تھا۔ ظاہر ہے کہ پہلا سبب تو بہرحال ہر ذمی اور مفتوح کو حاصل ہے۔

اہل ذمہ کی مذہبی بیگانگی اور کم زوری کے احساس کا ہی پہلو ہے کہ علامہ ابن عابدینؒ کہتے ہیں کہ "علماء کے نزدیک ذمی پر ظلم زیادہ بڑا گناہ ہے"۔[۱۳] اسی ذیل میں فقہاء لکھتے ہیں کہ "مسلمان کو جو حقوق حاصل ہیں وہی ذمی کو بھی حاصل ہیں، یہاں تک کہ اس کی غیبت تک کرنا حرام ہے۔[۱۴]

ترقی کے مساوی امکانات

اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری کے لئے تجارت وکسب اور ترقی وتعلیم کے مساوی امکانات کا ہونا ضروری ہے۔ فقہاء اسلام نے صراحت کی ہے کہ ان کو اس سلسلہ میں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ بلکہ حضرت عمرؓ کے عہد کی تاریخ ہم کو ان بے شمار اقدامات، اسکیموں اور مہموں کی خبر دیتی ہے جن کا مقصد مفتوح علاقوں اور ان کے باشندوں کی اقتصادی ترقی تھا۔[۱۵]

مذہبی آزادی

مذہبی آزادی اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ فطرت انسانی اس حق کو تسلیم کرتی ہے اور جابر معاشروں میں بھی سلیم الفطرت لوگ اس مسلّمہ انسانی حق کو ثابت مانتے آئے ہیں۔ صدر اول میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے غیر مسلم معاشرے میں اسی فطری حق کی بنیاد پر آزادیِ اختیارِ مذہب کا مطالبہ کیا تھا۔ اور قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے عربوں کے مذہبی جبر اور فتنہ کو ہی وہ عظیم ظلم بتایا تھا جس کی بنیاد پر ان سے جنگ کی جارہی تھی۔

اسی بنیاد پر اسلام ہر زمانے میں دنیا کے ہر معاشرے سے مطالبہ کرتا ہے کہ یہ فطری انسانی حق بہرحال محفوظ رہنا چاہیے اور مسلمانوں کو دوسرے تمام انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے اور انھیں باطل ادیان وافکار اور گمراہی پر مبنی طریق زندگی سے روکنے کی کھلی آزادی ہونی چاہیے۔

جب مسلمان دوسری ملتوں اور معاشروں سے اس آزادی کے طلب گار ہیں تو یقیناً انصاف کا تقاضا تھا کہ ان کا دین خود سب سے پہلے اعلان کرتا: **لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ** (البقرۃ:۲۵۶) ''دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں''۔

اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے اپنی حکومت کے تحت رہنے والے غیر مسلم شہریوں کی جان ومال، عزّت وآبرو کے علاوہ مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت دی ہے۔ ان کو اپنے مذہب کے مطابق عقائد رکھنے، عبادت کرنے اور بود وماند کے طریقے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔

عبادت گاہوں کا تحفظ

رسول اللہ ﷺ نے نجران کی عیسائی آبادی کو ذمی بنایا اور ان کو ہر طرح کی مذہبی آزادی دی، بلکہ ان کے تحریری معاہدے میں صراحت کی گئی کہ ''ان کے طریقۂ عبادت، ملّی قوانین، مذہبی نظام اور عہدوں اور اوقاف میں کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کی جائے گی''۔[۱۶] بیت المقدس کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ نے جو تحریری امان لکھ کر دی تھی، اس میں جان ومال اور مذہبی مقامات ورسوم، یہاں تک کہ صلیبوں تک کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔[۱۷]

کیا اہل ذمہ مسلم ملک میں نئے معابد نہیں بنا سکتے؟

اس ضمن میں ایک اہم مسئلہ ہے جس کی تحقیق کی بھی ضرورت ہے اور اس کو صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر سمجھنے کی بھی۔ اس پر تحقیق اور تدبر کی نظر نہ ڈالنے سے بڑی الجھنیں پیدا ہوئی ہیں۔ وہ یہ کہ کیا اہل ذمہ مسلم ملک میں نئے معابد نہیں بنا سکتے؟

اس سلسلے میں قرآن وسنت پر وسیع نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس سلسلہ میں کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی رو سے اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کو اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر سے روکا جائے۔ خلافت راشدہ کے دور میں حضرت عمرؓ کے زمانے کی فتوحات میں جو لوگ ذمی بنائے گئے ان کو عمومی طور پر اپنی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت دی گئی، صرف 'امصار المسلمین' میں ان کو اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر سے روکا گیا۔

اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اسلامی شریعت کا یہ مستقل قانون ہے کہ غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر نہ کرنے دی جائے۔ اس سلسلے میں بعض روایتیں پیش کی جاتی ہیں، لیکن وہ موضوع ہیں اور قرآن وسنت کے عمومی مزاج و ہدایات اور حقیقتِ واقعہ دونوں کے خلاف ہیں۔ ان پر ہم آگے کچھ تفصیل سے کلام کریں گے۔

ابن ابی شیبہ کی المصنف اور ابوعبید کی کتاب الاموال میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ منقول ہے کہ 'امصار المسلین' میں غیر مسلموں کو عبادت خانے بنانے اور شعائر دینی کے علانیہ اظہار کی اجازت نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اس جیسی دوسری روایات، جو یہ بتاتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غیر مسلموں کو 'امصار المسلمین' میں اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر سے روکا گیا تھا، ان میں سے کوئی بھی روایت ثابت نہیں ہے۔[۱۸]

لیکن اگر ایسا بہت ہی محدود دائرے میں ہوا بھی تو اس کو غلط طور پر سمجھا گیا۔ اس لیے یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱- 'امصار المسلمین' اس زمانے میں مفتوح ملک کی وہ نئی آبادیاں کہلاتی تھیں جنھیں مسلمان اپنی فوجی چھاؤنیوں اور انتظامی مراکز کے طور پر بناتے تھے۔ کوفہ و بصرہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر میں خطاط ایسے ہی شہر تھے۔ واضح رہے کہ پورے کے پورے مفتوح علاقے (یعنی عراق سے لے کر شام ومصر اور شمالی افریقہ کے علاقے) غیر مسلموں کے ہی تھے۔ انہوں نے ایک عرصے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ یہ سارے علاقے وہ تھے جہاں غیر مسلموں کو عبادت گاہوں کی تعمیر اور شعائر دین کے اظہار کی عام اجازت تھی۔ [۱۹] افسوس کہ لوگوں نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ 'امصار المسلمین' کا مطلب مسلمانوں کے شہر سمجھا، حالاں کہ یہ خالصتہً ایک اصطلاح تھی، جس کا مطلب صرف وہ شہر تھے جو فتح کے بعد مسلمانوں نے نئے بسائے تھے اور جن کو سیکورٹی اور دیگر وجوہ سے اپنے لیے خاص کر لیا تھا۔ باقی علاقوں کے بارے میں یہ حکم نہیں تھا۔ ہمارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مفتوح ممالک کی قدیم آبادیوں اور غیر مسلموں کی نئی بستیوں میں ان کو اپنے عبادت خانے قائم کرنے سے نہیں روکا جائے گا، چاہے ان میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کیوں نہ آباد ہو۔ [۲۰]

حضرت خالد بن الولیدؓ نے شام کے مفتوح علاقے 'عانات' کے لوگوں سے ان دفعات پر مصالحت کی تھی:

علی ان لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة وعلی أن یضربوا نواقیسھم فی أی ساعة شاؤا من لیل أونھار، إلا فی أوقات الصلاۃ و علی أن یخرجوا الصلبان فی أیام عیدھم. [۲۱]	ان کا کوئی عبادت خانہ اور کنیسہ نہیں ڈھایا جائے گا اور ان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دن رات جب چاہیں اپنے ناقوس بجائیں، سوائے نماز کے اوقات کے، اور اپنی عید کے دنوں میں انھیں صلیب کے جلوس نکالنے کا حق حاصل ہوگا۔

۲- دوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ ضعیف روایات میں آنے والے اس خالص انتظامی فیصلہ کو شرعی حکم سمجھ لیا گیا۔ ان روایات کے بہ موجب اہل ذمہ کے حق میں یہ فیصلہ صرف ایک انتظامی فیصلہ تھا۔ اس کی کسی شرعی بنیاد کا تذکرہ اور حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ غلطی صرف اسی مسئلہ میں نہیں ہوئی، بلکہ ذمیوں کے سلسلے کے بہت سے احکام سیکورٹی کے مقصد سے اور حکومت اور مسلمانوں کو کسی دھوکے سے بچانے کے لیے دیے گئے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں نے ان کو شرعی احکام سمجھ لیا۔

اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسا کوئی حکم ثابت نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو عبادت گاہوں کی تعمیر سے روکا جائے گا۔ جو چند روایتیں اس سلسلے میں ملتی ہیں وہ بے اصل ہیں، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں یہ حکم دیا گیا ہو یا حکومت کی یہ عام پالیسی رہی ہو، یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ شرک کے مراکز کا وجود جائز نہ ہوتا اور یہ چیز ایک اسلامی حکومت کے مقصد وجود کے منافی اور اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی تو اس میں 'امصار المسلمین' اور دیگر آبادیوں میں کیا فرق ہے؟ اس بنیادی اور اہم سوال پر غور کیا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ یہ احکام صرف امن عامہ اور کسی فساد و بدامنی سے بچنے کے مقصد سے دیے گئے تھے۔ اسی لیے تاریخی روایات میں آیا ہے کہ احکام یہ دیے گئے تھے کہ ذمی مسلمانوں کی آبادیوں میں اپنے مذہبی جلوس نہ نکالیں، نماز کے اوقات میں ناقوس نہ بجائیں، خنزیر لے کر مسلمانوں کے علاقوں میں نہ جائیں، وغیرہ۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج اور تاریخ طبری میں صاف صراحتیں ہیں کہ یہ ممانعتیں مسلمانوں کے مجمع اور احاطوں سے متعلق ہیں۔

یقیناً حضرت عمرؓ اور خلفائے راشدین کے احکام کی حیثیت سنت متبوعہ کی ہے، مگر علم وحکمت اور رفقہ ودانائی کا تقاضا ہے کہ ان میں یہ فرق کیا جائے کہ کون سے احکام سیاست وانتظام کے مقصد سے دیے گئے تھے، جو سیاسی اور انتظامی صورت حال بدل جانے سے خود بہ خود بدل جائیں گے اور کن احکام کی حیثیت شرعی قوانین کی ہے۔ انتظامی اور سیاسی مصالح پر مبنی حکموں کو شرعی اور قانونی حیثیت دینا خود ایک طرح کی تحریف ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ غیر مسلموں کو اسلامی ممالک میں اپنی بے ضرر عبادت گاہیں بنانے کی اجازت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کبھی منع نہیں فرمایا۔ اس سلسلہ میں جو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں ان میں سے جو مستند ہیں وہ صریح نہیں ہیں، بلکہ ان میں ایسی کوئی بات کہی ہی نہیں گئی ہے۔ اور جو صریح اور واضح ہیں وہ بے اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور موضوع ہیں۔☆

یہ خوب لطیفہ ہے کہ آپ غیر مسلموں کو مسلم ممالک میں اپنی عبادت گاہیں تک بنانے کی اجازت نہ دیں اور پھر یہ دعوی کریں کہ ہم ان کو مذہبی آزادی دیتے ہیں۔کیا پوری کی پوری قوم کو ایسے دباؤ میں رکھنا 'اکراہ' نہیں ہے؟؟ عالم عرب کے بعض 'مفکرین' اور غلو کا شکار لوگوں نے باقاعدہ یہ مہم چھیڑی ہے کہ عرب ممالک خصوصاً مصر وشام کی عیسائی آبادیوں کی عبادت گاہیں ڈھانا (بلکہ اور بھی ناگفتہ بہ اہانت آمیز اقدامات) مسلمانوں کا دینی فریضہ ہیں۔کس قدر زیادتی اور خود غرضی کی بات ہے کہ یورپ میں جانے والے مسلمان وہاں اپنے لئے عبادت گاہیں قائم کریں، گرجے مسجدوں میں تبدیل کرنے کی اجازت مانگیں اوران کے قیام میں حکومت سے مراعتیں لیں، اور اپنے ملکوں میں مطالبہ کریں کہ گرجے اور عبادت گاہیں ہرگز نہ قائم کی جائیں!!

غیر مسلموں کی اہانت نہیں کی جائے گی

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کی حیثیت جاننے کے لئے قرآن وسنت کی اصولی تعلیمات پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں جس آیت کی طرف سب سے پہلے نظر جاتی ہے وہ یہ ہے:

قَاتِلُواْ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِيْنُونَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ۔ (التوبة:۲۹)

جنگ کرو اللہ اور آخرت پر ایمان نہ لانے اور اللہ ورسول کے محرمات کو حرام نہ قرار دینے اور دین حق کو اختیار نہ کرنے والوں سے، یعنی اہل کتاب سے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں، اس حال میں کہ وہ (اسلامی ریاست کی) اطاعت قبول کریں۔

اس آیت میں جن طاقتوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے وہ بڑے درجہ کی جنگ جوئی

☆ اس موضوع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو'غیر مسلموں کے تعلقات اوران کے حقوق'،ص ۲۵۰ تا ۲۵۴ (معاون مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مرتکب تھیں، زمین میں ان کا فساد اور اسلام دشمنی عروج پر تھی۔ نیز ان کے تکبر ونخوت سے مسلم ریاست کو شدید اور حقیقی خطرے لاحق تھے۔ اس ظالم وجابر طاقت کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تو کہا گیا کہ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے اور ختم نہ کی جائے جب تک کہ ان کا تکبر خاک میں نہ مل جائے اور یہ اطاعت وزیر دستی قبول نہ کرلیں اور جزیہ نہ ادا کریں۔

اس آیت میں جنگ کی انتہا کی شرط بتائی گئی ہے کہ وہ 'وَهُمْ صَاغِرُونَ' کی حیثیت قبول کریں۔ 'صاغرون' عربی مادہ 'ص، غ، ر' سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس مادہ کے بعض الفاظ میں ذلت کے معنیٰ آتے ہیں اور اسی بنیاد پر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کو کم تر اور حقیر بنا کر رکھا جائے گا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس لفظ میں تابع ہوجانے اور بڑائی اور تکبر چھوڑ دینے کے معنیٰ بھی آتے ہیں۔ مشہور امام لغت ابن منظور نے لکھا ہے کہ 'صغار عظمت کی ضد ہے'۔[۲۲]

اس آیت میں جنگ کی جو انتہا بتائی گئی ہے کہ وہ 'صغار' کے ساتھ جزیہ کی ادائی قبول کریں، اس کا مطلب یہی ہے کہ روم کی متکبر طاقت کو، جو ایک عرصہ سے اسلامی ریاست کے خلاف جرائم کی مرتکب بھی ہے اور مستقل جنگ چھیڑے ہوئے ہے، اس کو اب جھکا کر ہی دم لیا جائے۔ علامہ ابن القیمؒ نے اس کی تشریح میں پہلے تو ان لوگوں کے بعض اقوال نقل کیے جو ذمیوں کی تحقیر کو اس حکم کا تقاضا سمجھتے تھے، پھر لکھا ہے:

وھذا کلہ مما لا دلیل علیہ ولا ھو مقتضی الآیۃ، ولا نقل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن الصحابۃ انھم فعلوا ذلک، والصواب فی الآیۃ ان الصغار ھو التزامھم لجریان أحکام الملۃ علیھم، واعطاء الجزیۃ، فان التزام ذلک ھو الصغار۔[۲۳]

ان سب باتوں کی کوئی دلیل نہیں ہے، نہ یہ آیت کا مطلب ہے نہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے ایسا کیا۔ آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ 'صغار' یہ ہے کہ وہ مسلم حکومت کی قانونی برتری تسلیم کرلیں اور جزیہ ادا کریں، بس ان کو قبول کرلینا ہی 'صغار' ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے یہاں قرآن وسنت کے نصوص کی تفسیر کے ایک نہایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیادی اصول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرام کے عمل سے الگ کر کے قرآن کی تفسیر نہیں کی جا سکتی ورنہ بہت سی غلط فہمیاں ہو سکتی ہیں، تعبیر و تشریح (Interpretati on) کے نام پر بائبل کو جس طرح بدل کر رکھ دیا گیا وہ اس کی مثال ہے۔

قرآن کی حفاظت کا ایک معجزاتی پہلو یہ ہے کہ آیات و احکام قرآنی کی تشریح اور اس کے حدود و معیار کو متعین کرنے کے لئے ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہے۔ اس اصول کی بنا پر ہم قطعی طور پر اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت کی تشریح میں یہ تصور اور اس پر مبنی ہر رائے بالکل غلط ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ذلیل بنا کر رکھے جائیں گے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اس کے بالکل خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اسوہ

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسلامی ریاست میں بسنے اور اس کی اطاعت قبول کرنے والے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ آپؐ نے ان کے ساتھ عملاً جو برتاؤ کیا، ان کی جو قانونی حیثیت اور سماجی مقام اپنے طرزِ عمل سے متعین فرمایا، وہ شریعت کا قانون اور ہر مسلم ریاست کے لیے رہنما پالیسی ہے۔

سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو وہاں کے سرداروں کی ایک تعداد نے آپؐ کی اطاعت قبول کی، لیکن اسلام نہیں لائے۔ آپؐ نے ان کو تحفوں سے نوازا، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے اور اس کے جاں نثار بن گئے۔ فتح مکہ کے بعد ہی قبیلۂ نجران نے اطاعت قبول کی۔ نجران جنوب عرب میں رومی حکومت کے تابع عیسائی آبادی والا ایک بڑا منطقہ تھا۔ یہ لوگ باقاعدہ جزیہ دینے والے ذمی قرار پائے۔ ان کا وفد مدینہ منورہ آیا تو اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے جو معاملہ فرمایا وہ تاریخ و سیر اور حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ وہ لوگ بڑی شان و شوکت کے لباس پہن کر آئے۔ آپؐ نے ان کو اپنی مجلس میں ٹھہرایا، انہوں نے اپنی عبادت کرنی چاہی تو صحابہ نے روکنے کا ارادہ کیا، مگر آپؐ نے صحابہ کو منع کیا اور عیسائیوں نے مسجد نبوی ہی میں اپنی عبادت کی۔[۲۴]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنہ ۷ھ کے بعد کا واقعہ ہے، (اور ہوسکتا ہے کہ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہونے کے بعد کا ہو، بہر حال اسلام کے مدینہ میں قوت حاصل کرنے کے بعد کا واقعہ ہے) کہ مدینہ کے ایک بااثر غیر مسلم شخص سے حضرت بلالؓ نے کچھ قرض لیا۔ وہ قرض اسلامی ریاست کی بعض ضروریات (غرباء کی امداد) کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ایماء پر لیا گیا تھا۔ اس تاجر نے خود ہی حضرت بلالؓ سے کہا تھا کہ اس قسم کی ضروریات کے لیے کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے، تم مجھ سے لے لیا کرو۔ اچانک ایک دن وہ عین اذان کے وقت تاجروں کے ایک گروہ کے ساتھ آدھمکا اور حضرت بلالؓ سے نہایت ترش روئی اور بدتمیزی سے مخاطب ہوا: او حبشی! تجھے یاد ہے؟ بس چار دن بچے ہیں! اگر وقت پر قرض ادا نہیں ہوا تو تجھے پکڑ کر بکریاں چرانے پر لگا دوں گا''۔ حضرت بلالؓ حضورؐ کے پاس پہنچے اور قصہ سنایا۔ کچھ ہی دیر کے بعد فدک سے کچھ مال آگیا جس سے وہ قرض ادا کر دیا گیا۔ ۲۵

یہ واقعہ عہد نبوی میں ذمیوں کو دبا کر اور ذلیل کر کے نہ رکھے جانے کا واضح ثبوت ہے۔

زید بن سعنہ ایک یہودی مذہبی عالم تھے، مال دار اور باحیثیت تھے۔ ان کے قبول اسلام کا بڑا مؤثر واقعہ حدیث کی کتابوں میں آیا ہے۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے کچھ قرض کا معاملہ کیا۔ وہ جان بوجھ کر وقت پورا ہونے سے پہلے آپہنچے اور مجمع عام میں، جب آپؐ صحابۂ کرام کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے، آپؐ کے کپڑے پکڑ کر کہا: محمد! قرض نہیں واپس کروگے؟ مجھے تمہارے پورے خاندان کا حال معلوم ہے۔ حضرت عمرؓ شدتِ غضب سے سرخ ہو گئے۔ چیخ اٹھے کہ او خدا کے دشمن! میرے سامنے تیری یہ مجال؟ دیکھ! اگر خوفِ خدا دامن گیر نہ ہوتا تو تیرا سر دھڑ سے جدا ہو چکا ہوتا۔ آں حضرت ﷺ سکون و ضبط کی تصویر بنے رہے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور کہا: عمر! حق تو یہ تھا کہ تم مجھ سے جلد ادائیگی اور اس سے خوش معاملگی کو کہتے۔ جاؤ، قرض بھی واپس کر دو اور الگ سے میری طرف سے کچھ ہدیہ بھی۔ حضرت عمرؓ کی تلوار تو رک گئی، مگر اخلاق نبوی کی تلوار نے اپنا کام کر ڈالا۔ زید بن سعنہ نے فوراً اسلام قبول کیا اور حضرت عمرؓ سے تنہائی میں بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ میں نے یہ حرکت بس امتحان لینے اور پرکھنے کے لئے ہی کی تھی۔۲۶

عہد نبوی کا ایک اور واقعہ حدیث کی متعدد کتابوں میں آیا ہے، جس سے غیر مسلم شہریوں کے مدینہ میں ہر قسم کے دباؤ سے آزاد اور حکومتی اہانت وتذلیل سے محفوظ ہونے کا پتا چلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس شدید گرمی میں گاڑھے کے دو کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ پسینہ سے وہ کپڑے بوجھل ہو جاتے۔ ایک یہودی کپڑے کے تاجر کے یہاں شام سے بہتر کپڑا آیا ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: ادھار منگوا لیجئے۔ آپؐ نے کسی کو بھیجا۔ تاجر بد طینت ہی نہیں، بدزبان بھی تھا۔ کہنے لگا: جانتا ہوں، محمد میرا مال ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے بس اتنا فرمایا: ''جھوٹا، جانتا ہے کہ میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور سب سے بڑھ کر امانت دار ہوں''۔۲۷

ذخیرۂ حدیث میں اس سلسلے کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ اسلامی ریاست اپنے وفادار غیر مسلم شہریوں کو کس نظر سے دیکھتی ہے اس کی سب سے واضح اور تفصیلی مثال ہم کو اس تحریری دستور کی دفعات میں ملتی ہے جس کی بنیاد پر مدینہ کی ریاست کا قیام عمل میں آیا تھا۔ تاریخ وسیر کی کتابوں سے اس دستور اساسی کی دفعات میں یہود مدینہ کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین کی گئی ہیں۔ یہ دستور صراحت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں ایک ریاست کا قیام عمل میں آچکا ہے، اس میں یہود کی حیثیت محکوم شہریوں ہی کی ہے، جزیہ کا نام نہیں ہے، لیکن زکوٰۃ کا نام بھی نہ ہونا بتاتا ہے کہ یہ نام اس وقت تک طے نہیں ہوئے تھے۔ ورنہ ریاست کے لئے یہود کی مالی ذمہ داریاں طے کی گئی ہیں اور ان سے مشترکہ طور پر دفاع میں حصہ لینے کا بھی عہد لیا گیا ہے جو جزیہ کے قائم مقام ہے۔۲۸

بہر حال یہ دستور واضح کرتا ہے کہ اولین اسلامی ریاست نے غیر مسلم شہریوں کی عزت نفس کو کسی طرح مجروح کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، بلکہ دنیاوی حقوق واختیارات میں وہ مسلمانوں کے برابر نظر آتے ہیں۔ یہ دستور اور اوپر مذکور مثالیں حافظ ابن القیمؒ کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں کہ ذمیوں کی تذلیل کا تصور نہ آیت سے اخذ کیا جا سکتا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کا اور صحابہ کرام کا ایسا عمل تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیتِ جزیہ کا صحیح مفہوم

وہ غیر مسلم جو برسر جنگ نہ ہوں، ان کے ساتھ قرآن کریم نے حسن سلوک کرنے اور انصاف کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (الممتحنہ:۸) آیتِ جزیہ کے اس حصہ کا وہی مفہوم صحیح ہوسکتا ہے جو قرآن کی اس عمومی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسوہ کے مطابق ہوگا اور جو مفہوم ان کے خلاف ہوگا وہ قطعی طور پر قابل اصلاح قرار پائے گا۔ مگر یہاں سوال اٹھتا ہے کہ اس سب کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ 'صاغرون' کا لفظ تحقیر وذلت کے مفہوم سے بالکل خالی ہے اور اس کے معنیٰ صرف مسلمانوں کی حکومت قبول کرلینے کے ہیں۔ عربیت کی رُو سے آیت میں 'ذلت' کا مفہوم ضرور ہے۔ اوپر ذکر کیے گئے اصول کے مطابق اور آیات کے تاریخی پس منظر، شان نزول نیز سیاق قرآنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اس آیت میں اسلامی ریاست کے اطاعت گزار اور وفادار غیر مسلم شہریوں کی تذلیل کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ یہ محارب، توسیع پسند اور متکبر رومی طاقتوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس سیاق میں اور جاری جنگ کے ماحول میں حکم دیا گیا ہے کہ ان سے جنگ کرو، اور اس وقت تک کرتے رہو جب تک یہ جھک کر اور ذلیل ہوکر تمہاری اطاعت وباج گذاری قبول نہ کرلیں۔ یعنی محارب طاقت جب جھک جائے اور شکست تسلیم کرکے اطاعت قبول کرلے تو اب عام شہریوں کے لیے 'صغار' اور ذلت کا یہ حکم باقی نہیں رہے گا۔

لہٰذا اس آیت میں محاربین کی تذلیل وتحقیر کا پہلو تو ضرور ہے۔ اور ہر قوم اپنے دشمنوں، خصوصاً جنگ جو دشمن کے خلاف فوجوں اور عوام کے درمیان اسی قسم کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ پھر جب یہ جنگ عام جنگ نہ ہو، راہ حق کے لئے جاں بازی اور اللہ کے دین کے دشمنوں سے کشمکش ہو، تب تو یہ بڑا اہم اور ضروری پیغام ہوتا ہے کہ "ان بدبختوں اور ظالموں کے تکبر کو خاک میں ملانے تک جنگ کرو"۔ یہیں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے بے ضرر غیر مسلم شہری اس 'حکم صغار' میں مراد نہیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تفسیر کی خالص فنی تعبیر یوں کی جائے گی کہ 'حتّٰی'، حکم قتال کی غایت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اور قتال کی انتہا 'صغار' کے ساتھ جزیہ قبول کر لینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بالاتفاق جیسے ہی محارب قوم جزیہ پر راضی ہوگی قتال رک جائے گا، وہ عملاً جزیہ دینے تک نہیں چلے گا۔ مفسرین نے یہاں اس کی صراحت کی ہے کہ قتال کی انتہا کے طور پر جو 'جزیہ دینا' کہا گیا ہے اس سے مراد 'جزیہ دینے پر راضی ہو جانا' ہے۔[۲۹] بعض فقہاء نے بھی صراحت سے یہ بات کہی ہے۔ امام شافعی کتاب الأم میں فرماتے ہیں:

وإذا أخذ منهم الجزية أخذها بإجمال...... ولم يقل لهم قبيح والصغار أن يجري عليهم الحكم لاأن يؤذوا۔[۳۰]

ذمیوں سے جزیہ خوب صورتی اور نرمی سے لیا جائے...... ان سے کوئی بری بات نہ کہی جائے۔ قرآن میں جس 'صغار' کا تذکرہ ہے اس کا مطلب بس یہ ہے کہ ان کے اوپر ریاست کے قوانین کا نفاذ ہو، نہ یہ کہ ان کو ستایا جائے۔

کچھ خراسانیوں نے اہل ذمہ کو ذلیل کرنے کی بات کہی تو امام نوویؒ اور دیگر فقہاء نے اس کو باطل و بے اصل بات کہا۔ مغنی المحتاج میں ہے:

''یہ طریقہ باطل ہے، اور اس کو مستحب یا ضروری کہنا اس سے زیادہ غلط''۔[۳۱]

'شروط عمریہ' کا مسئلہ

حضرت عمرؓ کے زمانے میں، جب عراق و شام اور افریقہ کے وسیع و عریض علاقے فتح ہوئے اور بڑی تعداد میں قومیں ذمی بنیں اور تاریخ شاہد ہے کہ خوشی خوشی ذمی بنیں اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے ہم مذہب حکم رانوں کے خلاف لڑیں، تاریخ کی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس وقت ان پر کئی ذلت آمیز احکام نافذ کیے گئے، مثلاً ان کی پرانی عبادت گاہوں کی مرمت و تجدید نہیں کی جائے گی، وہ سر کا اگلا حصہ منڈائیں گے، زین کس کر گھوڑے پر نہیں بیٹھیں گے، مسلمانوں کے لئے کھڑے ہوا کریں گے، جس مسلمان کے ساتھ تجارت میں شرکت کریں گے فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا، وغیرہ۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب بے اصل اور موضوع قسم کی روایتیں ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور روایت یہ ہے کہ اہل شام نے خود اپنی طرف سے لکھ کر یہ شرطیں قبول کی تھیں، یہ روایت بالکل موضوع ہے۔ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں ایسے روای بھی ہیں جن کے بارے میں محدثین نے وضّاع، کذّاب، خبیث، عدوّاللہ جیسے الفاظ کہے ہیں۔[۳۲]

یہی روایت ایک اور سند سے خلال نے (جو امام احمد کے صاحب زادے عبداللہ کے شاگرد ہیں) عبداللہ کے حوالے اور سند سے نقل کی ہے۔ ابن القیمؒ نے اسے اپنی کتاب 'احکام اہل الذمۃ' میں نقل کر کے اس کو اعتبار بخش دیا ہے۔ ان کی سند میں بعض راویوں کا نام 'من أهل العلم' کہہ کر مبہم رکھا گیا ہے۔ بعض علماء نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ مسند احمد کی ان روایات میں ہوسکتی ہے جو امام احمد کے صاحب زادے عبداللہ کے اضافوں میں سے ہیں، مگر مجھے یہ روایت مسند میں باوجود تلاش بسیار کے نہیں ملی۔ ابن القیمؒ نے اسے تین حوالوں سے نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق میں ایک مستقل باب 'ذكر ما اشترط صدر هذه الامة عند افتتاح الشام' کے عنوان سے قائم کر کے یہ تینوں روایتیں نقل کی ہیں۔ ان کے یہاں اس کی ایک مزید سند ملتی ہے۔ ان چار سندوں میں سے دو تو وہ ہیں جن پر ہم اوپر کلام کر چکے ہیں۔ مزید دونوں سندیں بھی نہایت کم زور ہیں۔ ایک میں نامعروف راویوں کے علاوہ عبداللہ بن احمد بن ربیعۃ بن زبر ہیں، جو نہایت مخدوش راوی ہیں[۳۳]۔ دوسری بھی نامعروف راویوں کی سند سے آئی ہے۔

یہ اس روایت کے ظاہری عیوب ہیں۔ لیکن اہل نظر محدثین کے نقطۂ نظر سے اس کا اصل اور سب سے بڑا عیب ایک اور ہے، اور وہ یہ کہ فن حدیث کے تنقیدی نظام میں اگر کوئی واقعہ غیر معمولی قسم کا ہو اور اس کی طرف لوگوں کی توجہ کا ہونا فطری ہو، اگر وہ غیر معروف قسم کی روایت میں آتا ہو، عام طور پر علماء و راویان حدیث اس کو روایت نہ کرتے ہوں تو محدثین اس کو نہایت مخدوش مانتے ہیں۔ یہ ایک بالکل فطری حقیقت ہے کہ اگر ایسی غیر معمولی شرائط پر کچھ علاقے فتح ہوتے تو ان کو کثیر تعداد میں راوی نقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے۔ ایک طویل عرصے تک ان روایات کا چھپا رہنا، جب کہ ان کے شہرت کے ساتھ منقول ہونے کے اسباب بہت تھے، یہ خود ان کے بے اصل ہونے کی دلیل ہے۔ زیرنظر روایت کا یہی سب سے بڑا عیب ہے۔ یہ روایت خلال سے پہلے کسی مصنف وجامع حدیث کے یہاں نہیں ملتی، بلکہ خلال کی کتاب 'الجامع لاحکام الملل'، جس کے حوالے سے یہ نقل کی گئی ہے، پتا نہیں اب موجود بھی ہے یا نہیں۔ حالاں کہ اس کے مندرجات ایسے عجیب قسم کے اور اس قدر متوجہ کرنے والے ہیں کہ اس کو علما ضرور نقل کرتے۔ وہ تمام محدثین ومؤرخین، جنہوں نے ان فتوحات کی تاریخ لکھی ہے، مثلاً طبری، بلاذری اور واقدی وغیرہ اور وہ محدثین اور فقہاء جنہوں نے اہل ذمہ کے مسائل پر قانونی دفعات مرتب کی ہیں، مثلاً امام ابویوسف، ان میں سے کسی کے یہاں یہ روایت نہیں ملتی۔ ہمیں اس کا تذکرہ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی نہیں ملتا، جن میں نہایت تفصیل سے اہل ذمہ کے قانونی حقوق اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالنے والے آثار و واقعات لکھے گئے ہیں۔ یہ خود اس کو آخری درجہ ضعیف ٹھیرانے والی بات ہے۔

کسی روایت کا یہ عیب کہ باوجود واقعے کے غیر معمولی ہونے اور نقل وروایت پر آمادہ کرنے والے اسباب کے پائے جانے کے اس کو عام طور پر نقل نہ کیا جائے اور وہ نہایت نادر یا کم زور روایتوں میں پایا جائے اور حدیث کی اہم کتابیں اس سے خالی ہوں، محدثین کے یہاں اس کو بے اصل اور موضوع قرار دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اس روایت کے متن میں ہمیں کثرت سے ایسی داخلی شہادتیں ملتی ہیں جو کسی صاحب نظر مؤرخ کی نگاہ میں اس کو مشتبہ بنانے کے لیے کافی ہیں۔ مثلاً یہ روایت بتاتی ہے کہ یہ سخت اور ذلت آمیز شرطیں خود مفتوح علاقوں کے عوام نے اپنے اوپر نافذ کی تھیں۔ بھلا کہیں مفتوح کی شرطوں پر معاہدے ہوا کرتے ہیں؟ شرطیں ہمیشہ فاتح کی طرف سے لکھی جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس سے پہلے حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں دوسرے علاقوں میں اس سے کہیں زیادہ آسان اور سہل شرطوں پر لوگوں کو عہد اور اطاعت میں لیا گیا تھا۔[۴۳] پھر حضرت عمرؓ جیسے عادل حکم راں سے یہی توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے علاقوں کی طرح اہل شام سے بھی انصاف کا معاملہ ہی کریں گے۔ مزید یہ کہ تاریخ شاہد ہے کہ ذمیوں کے ساتھ مسلمانوں نے کبھی یہ معاملہ نہیں کیا۔ کس تاریخ میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے پکڑ پکڑ کر ذمیوں کے سر کے اگلے بال کاٹے ہوں؟!

غیر مسلم شہریوں کے لباس کا مسئلہ

البتہ لباس کے سلسلے میں تاریخ وسیر اور کتاب الخراج وغیرہ کتب میں متعدد حوالے اس کے ملتے ہیں کہ اہل ذمہ فلاں لباس پہنیں، فلاں نہ پہنیں۔ متعدد لوگوں کو یہاں سخت دھوکا ہوا ہے کہ یہ ان کو نیچا بنا کر رکھنے کی پالیسی تھی۔ اللہ جزائے خیر دے علامہ شبلیؒ کو کہ انھوں نے اپنی تصنیف الفاروق میں بہت اچھی طرح اس غبار کو صاف کر دیا ہے۔ متاخرین نے غلط فہمی سے عموماً مسلمانوں اور غیر مسلم ذمیوں کے درمیان لباس کے فرق کو ذلت کے اظہار کے لیے سمجھا، حالاں کہ ان کو بس یہ حکم تھا کہ وہ عربوں اور مسلمانوں کا سا لباس نہ پہنیں اور اپنے قومی لباس کو نہ بدلیں۔

اس مسئلہ کے تعلق سے دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ حکم یک طرفہ نہیں تھا، بلکہ خود عرب مسلمانوں کو بھی غیر مسلموں اور عجمیوں کی نقالی کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی سے اس کی ممانعت کر رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے بعض گورنروں کو یہ نگرانی رکھنے کی ہدایت دی تھی کہ مسلمان دوسروں کی نقالی نہ کریں۔ دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں کے لباس اور ہیئت کی نقالی سے روکنے کی اصل حکمت نہ ان کو ذلیل کرنا تھا اور نہ ان کی قومی خصوصیات کا تحفظ اور محکوم قوم کو احساس کم تری سے بچانا تھا (جیسا کہ بعض اہل علم نے آخر زمانے میں سمجھا ہے)۔ بلکہ یہ ایک انتظامی حکم تھا، جس کا مقصد دفاعی تھا اور وہ فاتح طاقت کے تحفظات پر مبنی تھا۔ ایسے علاقوں میں، جہاں ایک نئی قوم نے فتوحات حاصل کی ہیں اور ابھی پورے طور پر دلوں کو فتح کرنے اور ان کے درمیان اسلام پھیلنے میں فطری طور پر کچھ وقت درکار ہے، حضرت عمرؓ نے یہ احکام جاری کیے کہ مفتوح قوم کے لوگوں کو اس سے روکا جائے کہ مسلمانوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سی ہیئت اختیار کریں۔اس وقت ایسے شناختی کارڈوں کا رواج نہیں تھا جن کے ذریعہ کسی شخص کی قومیت اور مذہب کا علم ہو سکے۔آج بھی حفاظت اور امن عامہ کے مصالح کی خاطر حکومتیں مذہب ہی نہیں، ماں باپ کی اصل قومیت ونسل اور مقام پیدائش تک لکھتی ہیں۔اگر اس بے اصل روایت میں آئی ناقابل قبول باتوں اور نا معقول اضافوں سے صرف نظر کرکے صرف معتبر روایتوں کو دیکھیں تو ان کا خلاصہ وہی نکلتا ہے جسے امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ان احکام کی علّت وحکمت یہ قرار دی تھی کہ ''حَتّٰی یُعْرَفَ زِیُّھُمْ مِنْ زِیِّ الْمُسْلِمِیْنَ'' یعنی: تاکہ ان کی ہیئت ولباس کا مسلمانوں سے امتیاز کیا جا سکے۔۳۵

اس سے معلوم ہوا کہ ان احکام کی حیثیت شرعی وقانونی نہیں تھی، کیوں کہ ان کا تذکرہ نہ کتاب اللہ میں آیا ہے نہ احادیث رسول اللہ ﷺ میں، بلکہ حالات کی نزاکتوں، حفاظتی مصالح (Security concerns) اور ریاست کے تحفظ کے مقصد سے حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ ایک قسم کے سیاسی احکام تھے، جنھیں ان کے سیاق وسباق (Context) ہی میں دیکھا جانا چاہیے۔

جزیہ کی حقیقت

مسلمان جب رومیوں سے جنگ کر رہے تھے تو قرآن کی وہ آیت نازل ہوئی جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے کہ: ''اب ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک وہ 'جزیہ' دینا قبول کرکے ذلیل نہ ہو جائیں''۔

اُس زمانے کی منظّم حکومتیں مفتوح قوموں اور رعایا پر جو ٹیکس (زمین کے لگان کے علاوہ) ہر آدمی پر لگاتی تھیں اس کو 'جزیہ' کہتے تھے۔علامہ شبلیؒ نے جزیہ پر اپنے مشہور رسالے میں ثابت کیا ہے کہ اس لفظ کی اصل فارسی ''کِزْیَت' ہے۔طبری نے اپنی تاریخ میں خسرو نوشیرواں (جو عہد نبوی سے پہلے کا ایرانی بادشاہ تھا) کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے لوگوں کے اوپر جزیہ کا نظام نافذ کیا اور اس کے اصول وقواعد اور مقدار طے کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ شبلیؒ نے طبریؒ (م ۳۱۰ھ) اور ان سے بھی قدیم مؤرخ ابوحنیفہ دینوری (م ۲۸۱ھ) کی 'الاخبار الطوال' سے اس کے حوالے دیے ہیں۔

اہل عرب ایران سے قریبی سیاسی رابطے رکھتے تھے، بلکہ پورا مشرقی ساحل شمالی یمن کے مشرقی علاقوں تک انہی کے تابع تھے۔ شمال مشرق میں حیرہ میں آل منذر کی قدیم عرب سلطنت ایران کے تابع ریاست کے طور پر قائم اور مستقل عرب وفارس تعلقات کی نگراں تھی۔ یمن میں کسریٰ کی طرف سے مستقل گورنر متعین ہوتا تھا۔ عہد نبوی میں اس کا نام باذان تھا۔ سیاسی وجغرافیائی قربتوں کے نتیجے میں ثقافتی لین دین کا فطری عمل ہونا لازمی ہے۔ اسی لیے جب قرآن نے 'جزیہ' کا لفظ استعمال کیا تو کسی کو اس کے سمجھنے میں مشکل نہیں پیش آتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اس وقت بین الاقوامی سطح پر معروف نظامِ محاصل تھا۔

کیا جزیہ اسلام قبول نہ کرنے کی سزا ہے؟

جزیہ کے اس بنیادی تصور سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ جزیہ کسی خاص مذہب کو قبول نہ کرنے کی سزا نہیں تھا۔ اسلام سے پہلے عجم کے حکم راں اس کو اپنے ہم مذہبوں سے بھی لیتے تھے۔ طبری نے نوشیرواں کے تذکرے میں اس کے جزیہ کے نظام کی کچھ تفصیلات لکھی ہیں۔ اس میں کوئی مذہبی تفریق نہیں تھی، بلکہ اس میں حکم راں طبقات اور جنگوں میں شرکت کرنے والوں کو مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ خود نوشیرواں کے حوالے سے اس کی یہ حکمت منقول ہے کہ جو لوگ جنگوں میں حصہ لیتے ہیں وہ ان کی خدمت کرتے ہیں جو کھیتی اور کاروبار کرتے ہیں۔ لہٰذا عام لوگوں کو ریاست کی امداد اپنے مال سے کرنی چاہیے۔

غرض جزیہ اس وقت کا ایک عام بین الاقوامی قانون تھا۔ دنیا کا تمدنی وفوجی سپر پاور فارس اس پر عمل کرتا تھا۔ اسلام نے بھی یہی تصور باقی رکھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کی جو عبادت فرض کی گئی اور صدقات کی عبادت کا جو نظام رکھا گیا، اس کا ایک اہم مقصد ریاست کا تحفظ اور جہاد فی سبیل اللہ کی تقویت بھی تھا، لیکن زکوٰۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوں کہ خالص عبادتی ومذہبی روح رکھتی ہے، اس لیے غیر مسلموں کو اس کا پابند کرنا جائز نہیں تھا، چنانچہ ان کو ریاست کی اجتماعی ضروریات کے سلسلے میں ایک بہت معمولی چیز کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور وہ جزیہ کا ٹیکس ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ قانون جاری کیا تھا کہ جزیہ صرف ان لوگوں پر ہوگا جن کو اسلامی ریاست اپنے تحفظ میں لے گی اور وہ جنگی خدمات انجام نہیں دیں گے۔ جن لوگوں سے جنگی خدمات کا مطالبہ کیا جائے گا وہ خود بہ خود جزیہ سے مستثنیٰ قرار پائیں گے۔ عراق کے افسرانِ حکومت کے نام انھوں نے یہ ہدایت بھیجی تھی:

لیستعینوا بمن احتاجوا إلیهم من الأساورة ویرفعوا عنهم الجزاء.۳۶

سابق حکومت کے کارندوں میں سے جن کی ضرورت ہو مدد لی جائے اور ان کا جزیہ معاف کردیا جائے۔

آذربائجان کے لوگوں کے بارے میں حکم فاروقی تھا کہ جو ایک دفعہ کسی معرکہ میں حصہ لے گا اس کا سال بھر کا جزیہ معاف ہوجائے گا۔ ۳۷ آرمینیہ اور جرجان کے لوگوں کو یہ وعدہ لکھ کر دیا گیا کہ یہ لوگ ضرورت پڑنے پر جنگ میں حصہ لیں گے تو ان کا جزیہ معاف ہوجائے گا۔ ۳۸ جرجومۃ کا شہر فتح ہوا تو مفتوحین نے شرط رکھی کہ ہم سے جزیہ نہ لیا جائے، ہم مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ ان کی یہ بات مان لی گئی۔ ۳۹

امام عامر شعبیؒ (جن کی ولادت ۲۰ھ اور وفات پہلی صدی کے خاتمہ پر ہوئی ہے) فرماتے ہیں:

أدركت الأئمة الفقیه منهم وغیر الفقیه یغزون بأهل الذمة فیقیمون لهم ویضعون عنهم جزیتهم. ۴۰

میں نے فقیہ اور غیر فقیہ ہر قسم کے حکام کو دیکھا ہے کہ وہ غیر مسلم شہریوں کے ساتھ جنگ کو جاتے تھے اور ان کا حصہ غنیمت میں لگاتے تھے اور جزیہ معاف کردیتے تھے۔

اسی بنا پر اب اکثر علماء کا گویا اتفاق سا ہوگیا ہے کہ جزیہ حفاظت کا بدلہ اور فوجی خدمات کا معاوضہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جزیہ دراصل سادہ سا محصول ہے

غیر مسلم مفتوح اقوام کو جنگ میں حصہ لینے اور ریاست کے دفاع کا فرض انجام دینے کا عموماً پابند نہیں بنایا گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مفتوحین کو یکایک وفاداریاں بدلنے پر اس درجہ مجبور کرنا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ خون بہانے پر تیار ہوجائیں، ایک نامناسب بات تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک اسلامی ریاست مخصوص عقائد وافکار اور مخصوص مقاصد کے لئے قائم ایک مشنری اور دعوتی ریاست ہوتی ہے۔ اس کا کام صرف امن کا قیام، شہریوں کی فلاح وبہبود سے آگے بڑھتے ہوئے پوری دنیا میں مخصوص ذوق و مزاج اور عبادت الٰہی پر قائم نظامِ زندگی عام کرنا ہوتا ہے۔ غیر مسلموں کو اپنی مرضی کے خلاف ایسی ریاست کے لئے خون بہانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لیے ان سے صرف ان کی جان ومال کے تحفظ کا معاوضہ جزیہ کی شکل میں لیا جاتا تھا۔

یہ عاجز اس حقیقت سے اتفاق کے ساتھ اس سلسلے میں ایک ذرا مختلف موقف رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ جزیہ اپنی بنیادی حیثیت میں صرف ایک سادہ سا محصول (ٹیکس) ہے، دیگر ان محصولات کی طرح جو ہر حکومت اپنی ملکی ضرورتوں اور سماجی خدمات کی انجام دہی کے لیے لیا کرتی ہے۔ ان کے ذریعہ ملک کے دفاع کی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے، حکومتی عملہ کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں، رفاہ عامہ کے کام، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر، سینچائی کے انتظامات اور دیگر ملکی امور انجام دیے جاتے ہیں اور ہر فردِ معاشرہ او رریاست کا باشندہ کم وبیش اس بار کا کچھ نہ کچھ حصہ اٹھاتا ہے۔

مسلمانوں پر زکوٰۃ کی شکل میں جو عبادت فرض ہے اس کا عبادتی پہلو تو یہ ہے کہ بندہ گویا خدائے قدوس کی خدمت میں عقیدت ووفا کی نذر گذارتا ہے۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ، رفاہ عامہ اور غریبوں کی خدمت کا ذریعہ ہے۔ اُس کی اِس عبادتی حیثیت کی وجہ سے غیر مسلموں پر جزیہ نام کا ایسا ٹیکس نافذ کیا گیا جو عبادتی ودینی رنگ سے خالی ہے، تاکہ غیر مسلموں کو کسی دینی قسم کی چیز کا پابند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ بنایا جائے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگی خدمات انجام دینے والوں کو جزیہ سے مستثنیٰ رکھنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ جزیہ فوجی خدمت کا بدل ہے، بلکہ یہ دراصل حکومت کی طرف سے ٹیکس کی معافی کا ایک اعلان تھا، جیسا کہ غریب کے لیے اور عورتوں بوڑھوں اور بچوں کے لئے یہی معافی اس لیے تھی کہ عموما یہ کمانے والے نہیں ہوتے۔

واضح رہے کہ عہد نبوی، پھر خلافت راشدہ اور بعد کی ابتدائی صدیوں میں جو جزیہ لیا جاتا تھا وہ مسلمانوں سے لی جانے والی زکوٰۃ سے کہیں کم تھا۔

غیر مسلم شہریوں کی دل داری کی ایک اہم مثال

حضرت عمرؓ کے زمانے میں شمالی عرب کے عیسائیوں میں ایک بڑی طاقت قبیلۂ بنو تغلب کی تھی۔ انہوں نے یہ عرض داشت رکھی کہ ہم کو ایرانیوں اور عجم سے ممتاز رکھا جائے، ہم عرب ہیں، آپ ہم سے صدقہ یا زکوٰۃ کے نام سے جو چاہیں لیں۔ (یاد رہے کہ جزیہ اصلا ایک ایرانی نظام تھا اور بنو تغلب عیسائی اور رومی حلیف ہونے کے ناطے ایرانیوں سے قدیم عداوت رکھتے تھے)۔ حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام کے مشورے سے ان کی یہ درخواست قبول کر لی۔[۱۴۱] اس طرح بعد کے زمانوں کے لیے گویا یہ اصول طے پایا کہ غیر مسلم شہری جزیہ، ذمی وغیرہ اصطلاحات کے بارے میں غلط فہمیوں کی وجہ سے تردد کا شکار ہوں تو ان اصطلاحات پر اصرار کرنا ضروری نہیں۔

موجودہ دور کے مسلم ممالک میں جزیہ کیوں نہیں؟

ہمارے زمانے میں مسلم ممالک میں کہیں جزیہ کے نام سے غیر مسلم شہریوں پر کوئی ٹیکس نہیں ہے۔ بلکہ شیخ مصطفیٰ سباعی، شیخ یوسف القرضاوی، شیخ عبدالکریم زیدان، شیخ وھبہ الزحیلی اور شیخ مصطفیٰ الزحیلی وغیرہ علماء اس کے قائل ہیں کہ آج کی مسلم ریاستوں میں جزیہ نافذ نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ شاید اصل وجہ یہ ہے کہ مسلم ممالک میں غیر مسلم شہریوں پر مختلف قسم کے مساوی ٹیکس نافذ ہیں، جو مسلمانوں پر بھی ہیں، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ان ٹیکسوں کو جزیہ کے نام سے موسوم کرنا ضروری نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے زمانے میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ اگر غیر مسلم شہری جنگوں میں حصہ لیں تو ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ موجودہ زمانے کے مسلم ممالک میں ان کے غیر مسلم شہری قومی دفاع کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے پر تیار ہیں۔

جزیہ کی مقدار

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور خلافت راشدہ کے دور میں الگ الگ وقتوں میں مختلف علاقوں سے الگ الگ شرح کے مطابق جزیہ لیا گیا اور اکثر وبیش تر غریبوں، متوسط الحال لوگوں اور اہل ثروت کے لئے اس کی الگ مقدار رکھی گئی۔ نیز جو نہ دے سکے اس کو معاف کیا گیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ زمانے اور حالات کے فرق سے جزیہ کی مقدار حکومت اپنی صواب دید سے طے کرسکتی ہے۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب یقاتل عن اھل الذمۃ ولا یسترقون، ۳۰۵۲

۲۔ مثلاً ملاحظہ ہو: المغنی، ابن قدامۃ، کتاب الجھاد، فصل ما یوجب عقد الذمۃ

۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی الذمی ...الخ، ۳۰۵۲

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ، باب اثم من قتل معاھدا بغیر جرم، ۳۱۶۶

۵۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، ۱۱۱

۶۔ صحیح بخاری، حوالہ سابق

۷۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، باب سقوط القود من المسلم للکافر، ۴۶۵۳ بسند صحیح

۸۔ حدیث وفقہ کی کتابوں میں طرفین کے دلائل کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

۹۔ مصنف عبدالرزاق، ۱۰/۱۰۱

۱۰۔ فتوح البلدان، ص ۱۴۴

۱۱۔ ابویوسف، کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتہا القاہرۃ، ۱۳۴۶ھ، ص ۱۲۲

۱۲۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب وصیۃ النبی ﷺ بأہل مصر، ۲۵۴۳، مسند احمد، ۱۷۴/۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳ے ردالمحتار: ۴/ ۳۵

۱۴ے حوالہٗ بالا

۱۵ے ان اقدامات کی تفصیل علامہ شبلیؒ نے اپنی شاہ کار تصنیف الفاروق میں جمع کر دی ہے۔

۱۶ے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی اخذ الجزیۃ، ۳۰۴۱

۱۷ے طبری، تاریخ الرسل والملوک ،ذکر فتح بیت المقدس

۱۸ے تفصیل کے لیے ابن حجر کی التلخیص الحبیر ، زیلعی کی نصب الرایہ، بیہقی کی سنن کبریٰ اور دیگر کتابیں ملاحظہ ہوں۔

۱۹ے مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/ ۲۳۴

۲۰ے بدائع الصنائع

۲۱ے کتاب الخراج، ص ۱۷۵

۲۲ے ابن منظور، لسان العرب، مادہ ص غ ر

۲۳ے ابن القیمؒ، أحکام أهل الذمة: ۱/ ۴۱

۲۴ے بیہقی ، دلائل النبوۃ ، ۵/ ۳۹۰

۲۵ے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین، ۳۰۵۵

۲۶ے صحیح ابن حبان، ۱/ ۲۸۸، حافظ ابن حجر نے اس روایت کی توثیق کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ، دارالمعرفۃ بیروت، ۲۰۰۴ء، ۱/ ۶۴۸

۲۷ے سنن نسائی، کتاب البیوع، باب البیع الی الاجل المعلوم، ۴۶۲۸ ، مسند احمد، ۲۵۱۸۴

۲۸ے یہ دستور ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور دیگر اصحاب سیر کے یہاں تفصیل سے ملتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں اس کے متفرق اجزاء آئے ہیں۔

۲۹ے ”حتی یعطوا أی یقبلوا أن یعطوا“ تفسیر ابوسعود وروح المعانی ، سورہ توبہ آیت: ۲۹

۳۰ے محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الأم: ۴/ ۲۲۰، طبع دار لفکر

۳۱ے مغنی المحتاج شرح المنہاج، فصل فی الامان

۳۲ے بیہقی، السنن، ۹/ ۲۰۲، شیخ البانی نے اس روایت پر اپنی کتاب ارواء الغلیل (۵/ ۱۰۳) میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔

۳۳ے لسان المیزان ،۳/ ۲۵۳

۳۴ے ابن جریر، ابن کثیر اور بلاذری نے اپنی کتابوں میں ان معاہدوں کا ذکر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ شبلیؒ نے ان میں سے کئی معاہدوں کو'الفاروق' میں نقل کیا ہے۔

۳۵ کتاب الخراج:۱۵۲

۳۶ تاریخ طبری،۲/۴۸۲

۳۷ طبری،۲/۵۴۰

۳۸ طبری،۲/۵۴۱

۳۹ الفاروق ، بہ حوالہ فتوح البلدان، ص ۱۵۹

۴۰ مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۷/ ۵۹۵

۴۱ السنن الکبریٰ، باب نصاریٰ العرب تضعف علیھم الصدقۃ، کتاب الأموال لابی عبید: ۱/ ۶۹

☆☆☆

مقالہ نگار حضرات سے گزارش

۱- کوشش کی جاتی ہے کہ محترم مقالہ نگاروں کی تحریریں تحقیقاتِ اسلامی میں جوں کی توں شائع ہوں،لیکن بسا اوقات موضوع پر ارتکاز کے مقصد سے یا مجلّہ کے صفحات کی تنگ دامانی کے سبب کچھ تحریریں مختصر کرنی پڑتی ہیں۔ زبان و بیان کی درستگی اور سلاست پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔امید ہے، فاضل مقالہ نگار اسے بہ طیبِ خاطر گوارا کریں گے۔

۲- تحقیقاتِ اسلامی میں صرف غیر مطبوعہ مقالات شائع کیے جاتے ہیں،اس لیے جو مقالہ اس میں اشاعت کے لیے بھیجیں اسے کسی دوسرے رسالے میں ہرگز نہ بھیجیں۔

۳- اگر تحقیقاتِ اسلامی میں کسی مقالہ کی کسی وجہ سے اشاعت ممکن نہ ہوگی تو اس کی اطلاع کردی جائے گی۔ سہ ماہی رسالہ ہونے کی وجہ سے عموماً مقالہ نگاروں کو زحمت انتظار برداشت کرنی پڑتی ہے۔اس پر ہم معذرت خواہ ہیں۔

۴- فوٹو اسٹیٹ کاپی میں بسا اوقات بعض الفاظ یا حروف مٹ جاتے ہیں۔اس لیے براہ کرم مقالہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی اپنے پاس محفوظ رکھیں اور اصل کاپی روانہ کریں۔

۵- مقالہ خوش خط ، ورق کے ایک جانب ، صفحہ کے دونوں طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھا جائے۔ بہتر ہے کہ اسے کمپیوٹر کتابت کے ساتھ بھیجا جائے۔کمپیوٹر کتابت کی صورت میں اسے درج ذیل ای میل پر بھیجا جاسکتا ہے:

tahqeeqat@gmail.com, mrnadv i@y ahoo.com

© rasailojaraid.com